قسط:۲(آخری)

حدیث پاک کی حیثیت عقل ونقل کے تناظر میں

تحریر: حافظ عبدالمتین راشد: الریاض

اہل رائے کی دلیل: بنیادی طور پر لفظ اور معنی کا فرق رکھنا صحابہ کرامؓ سے بھی حاصل ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب احزاب کی لڑائی کے بعد صحابہ کو بنوقریظہ کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا: ''تم میں سے کوئی ہرگز نماز عصر ادا نہ کرے مگر جب ان کے پاس پہنچ جائے''۔ تو اس پر صحابہ کرامؓ کا اختلاف معروف ہے جب راستے میں نماز کا وقت آ گیا تو بعض نے لفظی ربط کا اعتبار کیا اور کہا ہم حکم کے مطابق مقررہ جگہ پر ہی نماز ادا کریں گے۔ دوسروں نے معنی پر غور کیا اور کہا اصل مقصد جلدی کرانا تھا۔ اور جب نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے تو اسے ضائع کر دینا مطلوب نہیں تھا..... چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پر برابر خاموش رہے گویا دونوں کا عمل صحیح ہے۔ تو یہ محمول ہے جب دوسری حدیث کی مخالفت نہ ہو، جیسا کہ صحابہ کرامؓ کا قطعاً یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اشکال کا موقع یہ ہے کہ حدیث کی صحت معلوم ہو جائے، حدیث کا حدیث سے کوئی تعارض بھی نہ رہے۔ تب بھی اپنا مذہب چھوڑنا گوارہ نہ ہو۔

علمائے تعلیل کا ذکر: امام محمد عبدہٗ کی شخصیت معروف ہے (آل ترکمان سے، مصر کے مفتی، صوفی، فلسفی، تقلید کی بجائے فکری آزادی کی تحریک چلائی کہ کتاب وسنت کو خود پڑھو۔ سیاسی، حکومتی اور عوامی حقوق کی تقسیم پر اصلاحی مشن شروع کیا۔ پیرس میں جمال الدین افغانی کے ساتھ مل کر اسلامی مجلّہ نکالا) مگر آپ کا یہ کہنا کہ (اتفق أهل الملة الإسلامية إلا قليلا ممن لا ينظر إليه۔ على أنه إذا تعارض العقل والنقل أخذ بما دل عليه العقل وبقي في النقل طريقان) ''تمام اہل ملت مسلمان اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں۔ ماسوائے چند افراد کے جن کی بات قابل غور نہیں ہے۔ کہ جب عقل ونقل کا تعارض آ جائے تو عقل کی دلالت کو لیا جائے گا اور نقل کو یا تو چھوڑ دیا جائے یا ایسی تاویل پر مراد لیا جائے جو عقل کے مطابق ہو...'' تو یہ اہل کلام یا اہل الرائے کا مذہب ہے محدثین کا نہیں، چنانچہ اس موقع پر تمام فقہاء کا اتفاق بتانے کی نسبت محل نظر ہے۔ ٹھیک ہے کہ اس زمانے میں اہل حدیث

تحریک کمزور ہو چکی ہوگی، مگر امت کے تمام افراد کے مقابلے میں ان کو تھوڑی جماعت کہنا دلائل کے منافی ہے، الا یہ کہ آپ کی مراد اہل ظاہر ہوں تو بات سمجھ آتی ہے۔

اہل ظاہر سے مراد: امام داود بن علی ظاہریؒ، عراقی النسل، حنفی الاصل، شافعی المأخذ رئیس المذہب اور حنفیہ کے گدی نشین امام کرخی کے استاذ، الحافظ البحر العلامۃ عالم الوقت (م 270)، یا ان کے شاگرد جن کی تعداد 400 بتائی جاتی ہے اسی طرح آپ کے بیٹے محمد ابوبکر اور ان کے شاگرد، حتیٰ کہ ابن حزم آئے اور آپ نے اس مذہب کو چار چاند لگائے، اسی سے حکمت ربانی اپنی علامات سے پوری ہوئی جو اللہ تعالیٰ کو اس مذہب سے مطلوب تھی۔ ورنہ شاید آج تقلید کو چھوڑنے والا کوئی نہ ہوتا۔

صحیح یہ ہے کہ تعلیل و مقاصد کے اعتبار سے مذاہب کی تفصیل میں اہلسنت کے تین گروہ ہیں:

۱) جو علت، یا حکم کی غایت اور مقصد کو دیکھنا منع کرتے ہیں۔ اور صرف ظاہری حکموں پر عمل کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یہ قول اہل ظاہر بعض محدثین، بعض ائمہ مذاہب (اصحاب مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ) شیعہ، جہم بن صفوان، بعض صوفیہ اور ابوالحسن اشعری وغیرہ کا ہے (اور جنہوں نے مقاصد کا اعتبار کیا ہے جیسے ائمہ مذاہب کے اکثر اصحاب، معتزلہ کرامیہ، مرجئہ سے بعض اہل کلام، اکثر اہل الحدیث، اکثر صوفیہ اور اہل تفسیر اور کثیر قدمائے فلاسفہ اور متأخرین، جن کی تقسیم دو کے فرق سے یوں ہے:)

۲) جنہوں نے اس کے برعکس شریعت کو مقاصد یا معانی پر اتنا لیا کہ رائے کو نص پر مقدم کر دیا یہ قول حنفیہ کا ہے جو عقائد کے معتزلی (وہی بات جو عابدی صاحب نے کہی) ہیں۔ بعض حنابلہ جیسے نجم الدین طوفی اور شیعہ سے باطنیہ کا قول ہے (مگر یاد رہے باطنی شیعہ اہل سنت سے نہیں۔ نیز وہ مقاصد معلوم کرنے کے لیے امام معصوم کی شرط رکھتے ہیں)

۳) جنہوں نے ہر دو انتہاؤں سے درمیان کی راہ اپنائی، کہ حکموں کا تعلق مقاصد سے ضرور ہے۔ مگر ہم فیصلہ نہیں کر سکتے کہ بعینہ یہی مقصد شریعت کی مراد ہے... یہ فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کرے گی اگر وہ قبول کرے گی تو وہ متعین مقصد ٹھہرے گا ورنہ کوتاہی، یا قصور فہم ہو سکتا ہے۔ بالذات مقصد قرار دینا غلط ہوگا یہ قول بعض حنفیہ، اکثر حنابلہ (شافعیہ بھی بقول برنی صاحب) اور عام محدثین کا ہے۔ (دیکھئے مقاصد الشریعہ عند ابن تیمیہ د. یوسف بدوی ص ۱۴۸ بعد، اور الشاطبی

ومقاصد الشریعہ حمادی عبیدی ص ۱۳۵) محدثین کا منہج معلوم ہوا کہ وہ تعلیلی بحث کے خلاف نہیں، تاہم وہ ظاہر حدیث کے مقابلہ میں ہر اصول چھوڑ دیں گے اس طور پر کہ فیصلہ حدیث سے کروایا جائے، جس کا معنی یہ ہے کہ محدثین کسی حال میں بھی ظاہر حدیث کو چھوڑنا گوارہ نہیں کرتے، بشرطیکہ حدیث صحیح ہو۔

حاصل کلام: مدلولات میں حدیث کے معانی پر اختلاف کرنا یا کسی حدیث کو دوسری حدیث کے مقابلہ میں چھوڑ دینا عذر رکھتا ہے۔ اشکال تب ہے جب اپنے معلوم کردہ معانی اور مقاصد کو ظاہر نص یا محکم پر ترجیح دیں اور عقل کے معارضہ پر حدیث کو پیچھے کر دیں۔ سب اہل حدیث ظاہری نہیں جیسا کہ سب حنفیہ اہل الرائے نہیں۔ یہ دونوں گروہ عقلی، لغوی قوانین اور قواعد کی پاسداری کرتے ہیں۔ جو دونوں اصول وضوابط اور شرعی تعلیلات میں اہل ظاہر کے مقابلہ میں آتے ہیں۔ پھر یہ تینوں منہج اپنے اختلاف کے باوجود اہل سنت ہیں۔ فرق صرف طرز استدلال میں ترجیح کا ہے جس کے ہاں جو ترجیح متعین ہوئی وہ اسی غلبہ پر نام دیا گیا۔ جنہوں نے مقاصد پر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم کیا وہ اہل حدیث ہوئے۔ جنہوں نے نص پر رائے کو مقدم کیا وہ اہل رائے کہلائے۔

باقی مقصد سب کا ایک ہے اور وہ اصلاح عمل ہے، غایت بھی ایک ہے اور وہ اللہ کے حکموں کی تطبیق ہے، فرق منہج کا ہے۔ ایک طرف بات کو حدیث کی طرف لوٹایا جاتا ہے، دوسری طرف قیل وقال کی طرف۔

دونوں میں کچھ سلبیات بھی ہیں۔ مثلاً بعض اہل حدیث کبھی ائمہ کے فہم کو چھوڑ کر خود اپنی عقل کو امام بنا لیتے ہیں جو قبیح بگاڑ ہے۔ مگر دوسری طرف صحیح احادیث کو چھوڑ دیا جاتا ہے، کہ ہم اپنے اماموں کے فہم کے تابع رہیں گے (خواہ انہیں وہ حدیث ہی نہ ملی ہو)۔ اور بعض دفعہ غیر معقول تاویلوں کا سہارا لیا جاتا ہے، اسی طرح کبھی اہل شان کو صاف نظر آتا ہے کہ یہ تاویل فلاں حدیث کے عمل سے فراری کا بہانا ہے۔ اس طرف خشکی، سختی یا کبھی گستاخی بھی آجاتی ہے۔ دوسری طرف احترام ہے، ایک طرف عقلی تجاویز اور مفروضوں پر دین کھڑا کیا جاتا ہے دوسری طرف یہ تکلف نہیں مگر ضروری فقہ پر سادگی غالب آجاتی ہے۔

منہج اہل حدیث کی اہمیت: الغرض آپ جماعت اہل حدیث میں عبادت، سلوک، اور اخلاقیات میں سو خامیاں جتا سکتے ہیں۔ مگر جب منہج اور طریقہ عمل پر غور کیا جائے گا تو تمام مشکلات کے حل کا اصل اصیل، جسے

اماموں کی موافقت سے معلوم کیا گیا، جس پر اقوام امت کی اجتماعیت قائم ہوسکتی ہے، جو قوتوں سے لبریز ہے، جس میں شہ زوری ہے، جو واقعتاً (ماأنا علیه وأصحابی) کا عملی مظہر ہے، جو حق نبوی کا پیکر مجسم ہے، جسے حنفیہ شافعیہ، دیگر سلف اور کئی متاخرین جیسے مجدد الف ثانی، عبدالحق دہلوی، شاہ ولی اللہ، نذیر حسین محدث، نواب صدیق حسن خان، عبدالحي لکھنوی، انور شاہ کشمیری، ابن عبدالوہاب، صنعانی، شوکانی، البانی اور ابن باز رحمهم الله وغیرہ کی تحریکوں سے ترجیح حاصل ہوئی--- تو ایسا یہی اہل حدیث جماعت کا منہج ہوسکتا ہے، جو قرآنی حکموں کا آئینہ دار ہے، جسے ﴿ذلك خير وأحسن تاويلاً﴾ کی سند حاصل ہے (کہ خیر ہی خیر اور عمدہ و دوررس نتائج کا حامل منہج ہے) جسے تھامنے پر ؎ راہ بھی تو، راہر بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو

وضاحت: اس جگہ شعری استشہاد سے مقصد یہ ہے کہ جب آپ حق کی بنیاد پر اٹھو گے تو صحیح منہج کے راہی ہو جاؤ گے پھر راہنما حتیٰ کہ لوگوں کی امنگوں کا حاصل یا منظور نظر اور منزل مقصود بن جاؤ گے۔ ان شعروں میں علامہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اے مسلمان تو چند کلیوں پر قناعت کرتے ہوئے ناداں نہ ہو بلکہ انقلاب آفریں ہو جا... تیرے اندر بہت کچھ آسکتا ہے، اس سے بعض کو اشکال ہے یہ شعر فکر ''ہمہ اوست'' (وحدۃ الوجودی) کی حمایت پر ہیں، جبکہ یہ وحدۃ الوجودی یا اتحادی نظریہ شرعی معارضہ کے ساتھ معقولیت سے گری بات ہے کیونکہ یہ خیر و شر کو ایک مقام دیتا ہے حتیٰ کہ خالق و مخلوق کا فرق مٹا دیتا ہے، جسے ماننے پر ساری شریعت کا انکار لازم آتا ہے۔ کوئی عقل مند اسے قبول کرے گا؟ اسی وجہ سے یہ شیطانی دھوکہ، جو رواقیہ (یونانی مدرسہ دوسری صدی ق.م) کے رینون کی اختراع سے شروع ہوا، جسے اسلام میں ابن عربی نے ظاہر کیا خود اہل سلوک پر واضح ہو چکا ہے (مثلاً دیکھئے نزہۃ الخواطر سے احمد سرھندی کا ترجمہ، صاحب کتاب علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے اس فکر کو الحادی تاویل بتایا اور کہا یہ تصوف کا لبادہ اوڑھنے والوں کی طرف سے ہے۔ جس پر انہوں نے مذہب کو داغ دار کیا ہے۔) میں کہتا ہوں علامہ کے شعروں سے اس فکر کی حمایت لینا کیسے مناسب ہے جب کہ نظم کے آخری شعر علم پانے اور محنت کرنے کو بیان کرتے ہیں کہ وہ گویا کہنا چاہتے ہیں اے مسلم اپنے چھوٹے حال سے بڑے احوال کی طرف آؤ... اور جب منہج کا معنی ایسا راستہ جو منزل مقصود تک پہنچائے، ہوتا ہے تو مجھے استشہاد میں مناسب لگا، مقصد وہی ہے، فرق اتنا ہے کہ پہلے حق کی پہچان کرو پھر اس کی بنیاد پر علامہ کی بات مانو تو واقعی ثمر یاب ہو جاؤ گے اور اگر ڈاکٹر صاحب نے بحیثیت ایک فلسفی ہونے کے ''ہمہ اوست'' کی ترجمانی کی بھی ہے تو میں اس سے لاتعلق ہوں، جیسا کہ یہ وضاحت

اسی بنا پر ہے۔ (واللہ اعلم) یا پھر میں کہتا ہوں محدثین کا منہج وہی ﴿صراط ربك مستقیما﴾ کی مثال ہے جو ایمانی عظمتوں سے بلند اوج ستاروں کو اپنی گرد راہ کرتے ہوئے بلندیوں تک نکل جاتا ہے جیسے علامہ نے کہا۔

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

منہجی تقابل کے نمونے

مولانا اصلاحی کے حق میں ڈاکٹر صاحب کا یہ لکھنا بجا ہے کہ سنت کی اس تشریح میں ''وہ اعمال ہرگز شامل نہیں کیے جاسکتے جو قرآن کے فرمان اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے خلاف ہیں (وہی شمارہ ۸ مئی)

بڑی عمدہ وضاحت ہے، جس کا فائدہ یہ ہے کہ ہم حدیث کی مخالفت ہرگز نہیں چاہتے بلکہ حدیث پر عمل کرنے کیلئے تعامل ائمہ یا فہم اکابر کا رجوع کرنا چاہتے ہیں، تاکہ ان کی رہنمائی میں حدیث کو سمجھیں اور عمل کریں، یہ مبارک توجیہ اتفاقی مسائل میں تو درست ہے، مگر اس کی کمزوری اختلاف کے وقت ظاہر ہوگی.....، ظاہر ہے جب آپ کسی تعارض، اختلاف یا مشکل کو تعامل امت سے سمجھ کر حل کریں گے تو آپس میں ضرور اختلاف ہوگا، پھر یا تو قرآنی فیصلہ پر صحیح حدیث کے رجوع سے بات ختم کردی جائے یا حدیث چھوڑیں گے تو آراء کو اختیار کرنا لازم آئیگا، اگر آپ آراء کو لیں تو فریق مخالف بھی آراء رکھتا ہے، یا کہیں گے ہر ایک اپنے امام کی مانے، تو خود اماموں کا مشترکہ منہج کیوں نہ مانیں؟ یہ امام ابوحنیفہؒ ہیں جب آپ سے اہل کلام کے عرض وجسم کا سوال کیا گیا تو فرماتے ہیں۔ ''علیك بالأثر وطریقة السلف'' یہ سب فلاسفہ کی قیل وقال ہے اسے چھوڑو، اور دین حاصل کرنے کے لئے سلفی اثر اور انکے طریقہ کو اختیار کرو، اور ہر نئے دین سے بچو کہ وہی گمراہی ہے (دیکھئے مواقف أهل السنة من المناهج المخالفة لهم عثمان علی حسن ص ۴۲)

اس وجہ سے ہم کہتے ہیں آپ کو اہل حدیث کے کسی فاسق بدعمل کے پاس بیٹھے ہوئے گھن آسکتی ہے، مگر آپ اسے چھوڑیے اس کا منہج دیکھئے .....اس کے مقابلے میں، بتلایئے عقل پرستی نے شرعی معاملات میں آکر کتنے مسائل حل کیے ہیں؟.....مگر اسی سیدھے سادھے دین نے جو سینہ بہ سینہ محدثین کی راہ سے حاصل ہوتا ہے، یہی ایک دین ہے جسے رسول اللہ ﷺ کی شاگردی کے سلسلہ پر باور کرایا جاسکتا ہے، جس لحاظ سے یہ اصل ہے فرقہ نہیں، مشکاۃ نبوت کی طرف جاتا ہے بعد کی نسبت نہیں رکھتا۔ عمدگی، متانت، بلندی اور سرتاجی کے کسی اعتبار پر

دیکھ لیجئے دین کی اتھارٹی اسی کے پاس ملے گی:

- اگر فطرت کے اعتبار سے جائزہ لیں تو محدثین نے خون جگر جلا کر، جاں گسل محنتوں سے شریعت کی ایسی شیرازہ بندی کردی ہے کہ جس سے امت کو سکون بھی ہے اور برکات کا حصول بھی۔ جن کے بغیر اسلام کو دو روز کے لئے بھی سنبھالا نہیں جا سکے گا۔

- اگر تجربات کی رو سے دیکھنا چاہیں کہ "**التجربة أكبر برهان**" تجربہ بجائے خود بڑی دلیل ہوتی ہے، تو اسے اس حال سے قیاس کیجئے جب برصغیر میں صرف تفسیر جلالین، مشکاۃ یا مشارق الأنوار کے چند نسخے ملتے تھے، اب گھر گھر میں حدیث کی کتاب موجود ہے، اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ اہل حدیث مدارس، دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سے جو حدیث کی خدمت پر تحریکوں کا سلسلہ قائم ہوا اسی کا نتیجہ ہے کہ لوگ اصلاح کی راہ پر نہ آسکے مگر تبھی جب ان کے آدھے دین کو صحیح کرنا پڑا۔ (دیکھئے فیض الباری شرح بخاری کا مقدمہ، مولانا انور شاہ کشمیری)

- اگر کرامت ربانی سے مشاہدہ کرنا چاہیں تو محدثین کی اس میدان میں کرامتیں کسی سے مخفی نہیں، تاریخ کی ہر کتاب گواہ ہے، (صحیح احادیث کی کرامات، فوائد اور ضعیف موضوع آثار و روایات کے نقصان کا اندازہ کرنے کے لئے شیخ البانی کے دونوں سلسلے پڑھیں سلسلة الأحاديث الصحيحة اور سلسلة الأحاديث الضعيفة اندازہ ہو جائیگا کہ فتح مبین پانا کس جماعت کا حق ہے۔

- اگر سلسلہ شاگردی سے دیکھنا چاہیں تو یہی گروہ ہے جو واسطہ بہ واسطہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے ملا علی قاری نے خوب کہا۔

أهل الحديث هم أهل النبي وإن لم يص حبوا نفسه أنفاسه صحبوا

- اگر اس حق سے پرکھنا چاہیں جو اہل اختصاص کو دیا جاتا ہے، تو فقہاء کی ہر کتاب شاہد ہے کہ اس میدان کے اہل اختصاص یا سپیشلسٹ محدثین (علوم حدیث کے ماہرین) کا یہی گروہ ہے۔

- اگر آپ فکری انقلاب سے تاریخی برتری دیکھنا چاہیں تو آیئے اسی تعلق سے دونوں کا منہجی فرق چند نمونوں سے ملاحظہ فرمائیں، اصل مقصود جماعت کی جماعت پر برتری دکھانا نہیں بلکہ وہ کیا منہج ہے جسے رسول اللہ ﷺ کی بنیاد سے اور صحابہ کرام کے طرز عمل سے متعین کیا گیا تھا؟ اس کی نشان دہی مقصود ہے جس میں سر دست سلف اور ائمہ مذاہب آتے ہیں... آپ کو ایک طرف فکری ارتقاء اور ذہنی تطور ملے گا

دوسری طرف وہ عقلی پرواز یا تخیلاتی جولان نہیں ملے گا بجز کہ وہ حق کے پاسبان ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ مجموعی لحاظ سے زیادہ خیر، افادیت اور بہترین قیادت کن سے حاصل ہوسکتی ہے؟

دیکھئے برصغیر پاک وہند میں دو قسم کو تحریکوں نے حدیث رسول اللہ ﷺ کو خدمت انجام دی ہے۔

اہل حدیث سے مدارس کی تحریک: جس کی نشأۃ ثانیہ مجدد الف ثانی یا عبدالحق محدث دہلوی، پھر ولی اللہ خاندان اور شاگردوں کے تسلسل سے قائم ہوئی، دوسری تحریک، جو دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سے وجود میں آئی۔

اب دونوں کا منہجی فرق یہ ہے کہ اہل حدیث قرآن وحدیث کی تعلیم کے ساتھ باقی علوم کو ضرورت پوری کرنے کی حد تک لیتے ہیں، ورنہ اصل وہی پرانا مشن ہے: حدیث کی ہر کتاب سند ومتن کے ساتھ حرفاً حرفاً پڑھائی جائے تاکہ نئی پود میں دماغ کی کھیتی حدیث پاک کے آب حیات سے سینچی جائے، حتی کہ یہ مرجع اصیل قلب وجگر میں خون کی لہر دوڑنا شروع کردے...، جبکہ اہل الرائے نے فقہ، لغت، معقولات اور شرعی مقاصد کو غلبہ دیا ان کے ہاں صرف آخری سال حدیث پڑھنے کا انداز سکھایا جاتا ہے، اس تحریک کو تین کی تقسیم سے پہچانا جاسکتا ہے: فقہ، معقولات اور سائنسی توجیہات کے اعتبار سے، بظاہر انہوں نے حدیث کو وسعت دی، اسے فقہ، اور سائنسی حدود میں لے گئے، پھر اس پر جوہری کمال دکھائے، ہمیں اختلاف نہیں، مگر دیکھنا یہ ہے کہ جب ان مقامات میں صحیح حدیث کو چھوڑا جائے تو کیا حاصل ہوسکتا ہے؟ اسکے مقابلہ میں اہلحدیث کی نشاط محدود نظر آئے گی، مگر تنبیہات کی حد تک، تعاقب کی ضرورتوں میں ...

محدثین کا منہج اور فقہ: ڈاکٹر صاحب درایت کی بات کررہے تھے تو اہل حدیث کی فقہ یہ ہے کہ رات کی سیاہی میں کوئی حدیث پیش کریں، صحیح کی سپیدی پھوٹنے پر عمل ہوتا دیکھ لیجئے، جبکہ دوسری طرف حدیث رسول ﷺ کو چھوڑ دینے کا عالم یہ ہے کہ محدث العصر، حافظ الحدیث، اصلاً حنفی خاندان سے، شیخ البانی (آپ کو ایک لاکھ سے زائد احادیث بمعہ متون واسانید حفظ تھیں گویا حدیث میں وہ اللہ کی حجت ہیں) لکھتے ہیں: "وأن يخالفوا بها مآت الأحاديث الثابتة عن النبى ﷺ، ولا مستندلهم فى ذلك إلا الرأي والقياس واتباع عمل طائفة من الناس،، کہ اہل رائے کے لئے سنت کے ثبوت میں شک کرنا ہی یہ سبب ٹھہرا کہ انہوں نے سینکڑوں احادیث کی مخالفت کی ہے، جس پر کوئی وجہ جواز نہیں تھا، مگر رائے، قیاس اور بڑوں کی پیروی کو دلیل کرلینا۔

ڈاکٹر برنی صاحب فرمارہے تھے اختلافات تھوڑے مسائل میں ہیں، پھر آپ صرف نماز کے مسائل (رفع الیدین، سینے پر ہاتھ کا باندھنا، آمین بالجہر) کا ذکر کیا.....، اس موقع پر شیخ البانی نے بطور حصر نہیں بلکہ مثال کے طور پر (۵۵) بچپن مقامات کی نشاندہی کی جو علی الترتیب: حدود، نماز، روزہ، نکاح، شرب واکل، زکاۃ، کھیتی باڑی، رضاعت، وضو، مسح، خطبہ جمعہ، غائبانہ نماز جنازہ، عیدین اور خسوف وکسوف سے متعلق ہیں، جہاں فقہی اصولوں کی ترجیح میں صحیح احادیث کو چھوڑ دیا گیا، آپ نے مالکیہ کی درایت کا ذکر کیا تو شیخ البانی نے بطور مثال (۱۳) مقامات بتائے جہاں مالکیہ نے اپنے اصول ''عمل اہل المدینہ'' کی شرط پر صحیح احادیث کی مخالفت کی ہے تاہم ان کے سترہ مسائل مشہور ہیں جہاں صحیح احادیث کو چھوڑ دیا گیا، مجموعی لحاظ سے ابن حزم سے نقل کیا کہ ایسی روایات کو (جنہیں فقہ کی بنا پر چھوڑ دیا گیا) الوف (ہزاروں) تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں الحدیث حجة بنفسه شیخ البانی ص:۴۲، ۴۸)

اہل حدیث اور اہل کلام:

تمہید: (اہل کلام) جن کے پاس کوئی ایسا علم تو نہیں تھا جو لوگوں کے پاس نہ ہو مگر زیادت کلام جس سے بات کا مطلب اور نتیجہ نکالتے تھے اسی سے علم الکلام (منطق) بات کرنے کا صحیح طریقہ، (فلاسفہ) فلسفہ سے، کسی چیز کی مخفی علت وحکمت ... یہ یونانی کلمہ فیلو بمعنی محبت اور زوفی یا صوفیا بمعنی حکمت سے ماخوذ ہے (حکماء) فلسفہ کے بانی، جن کی فلاسفہ تعظیم کرتے ہیں (کبھی اطباء مراد ہوتے ہیں کیونکہ وہ علم طب پر بھی گفتگو کرتے تھے) منطق کو ارسطو نے مدون کیا مگر اس کا تعلق پرانی متمدن قوموں سے ہے (دونہری تہذیب: دجلہ وفرات یا عراق، ہند اور مصر وغیرہ سے) بعد میں اس علم کے محافظ یونانی ہوئے کیونکہ ان کے ہاں تاریخ یا تدوین کا رواج تھا جو ہندوؤں کے پاس نہیں تھا، ورنہ دیو جانس یہی کہتا ہے کہ فلسفہ دراصل مشرقی میراث ہے اور دیگر مغربی مفکرین اسے تقویت دیتے ہیں۔ عقلیات کا آغاز کب سے ہے؟ مؤرخین کا اختلاف ہے، جس کا بڑا سبب یہ ہے کہ تاریخ (وقت کی ترتیب پر احوال جمع کرنا) تاخیر سے وجود میں آئی۔ قرین قیاس یہ ہے کہ فرات اور بابل کی تہذیب سے شروع ہوئی۔

ذاتی خیال ہے کہ عقلیات کا علم ابلیس سے ہی شروع ہوا تھا جو بنو آدم میں آیا کہ اسی نے سب سے پہلے قیاس کا استعمال کیا، جس کے بالتبع عقلیات نے جنم لیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خیر وشر کی طاقتوں کو شروع سے جمع کر رکھا ہے، عقلیات کا شر زیادہ تر شرعی معارضوں سے پہچانا گیا ہے، تاہم ایک پہلو سے کسی شر کا حاصل ہونا باقی

جوانب سے خیر کی نفی نہیں کرتا، اور ابلیس کا علم ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ یہاں شیطانی تصرفات زیادہ ہے۔ اگر چہ یہ دھوکے کا سامان عظیم حکماء سے بھی ملتا ہے اور یہی شیطان چاہتا تھا تا کہ لوگوں کی نظر میں جوان کے لئے تعظیمی تقاضے موجود ہیں انہیں اپنے دھوکہ پر دلیل بنائے، مگر ایمان والے شیطانی تصرف کو ایمانی توفیق سے پہچان لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان حکماء سے عظیم غلطیاں بھی ہوئیں، جہاں ہمیں شیطانی ہتھکنڈے اور حربوں کا اندازہ تو نہیں ہوسکتا مگر جب وہ شرعی معارضے پر آتے ہیں تو دو لحاظ سے پہچان لیتے ہیں:

(۱) تناقضات کی بنا پر جو خود ان کی کلام سے حاصل ہوتا ہے (۲) حق سے دوری اور شرعی نافہمی کی بنا پر،

مثلاً حکیم سقراط سے متعلق کیا توقع ہوسکتی ہے کہ جب انہیں موسوی شریعت پیش کی گئی تو اسے حقیر جانا اور مذاق اڑایا... قرآن کہتا ہے یہ لوگ آخر میں ایمان کی طرف آتے ہیں جب ایمان قبول کرنا نفع بخش نہیں ہوتا (دیکھئے المؤمن ۸۳ تا ۸۵ کی تفسیر علامہ وحید الزماں) اسی طرح جب یحیی بن خالد برمکی (ہارون الرشید کا وزیر) کی طلب شاہ روم کو پہنچی، کہ ہمیں یونانی کتب پڑھنے کو دی جائیں، جنہیں وہ بند کمرے میں اس وجہ سے رکھے ہوئے تھے کہ کہیں اہل مذہب (عیسائی) پڑھنے سے گمراہ نہ ہو جائیں، چنانچہ اس موقع پر وہ خوش ہوئے اور شاہ روم نے جھٹ سے روانہ کر دینے کا فیصلہ کیا، جب ان کے ایک جنریل نے یہ بھی کہا تھا:

یہ علوم جب بھی کسی اہل شریعت کے ملک جائیں گے تو وہاں کے احوال میں فساد اور ان کے علماء کے درمیان ناچاکی ضرور پیدا کریں گے۔ (دیکھئے مواقف اہل السنہ عثمان علی حسن ص ۳۸)

امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں میں پہلے منطق کے قضایا (جوڑ توڑ) کو اچھا خیال کیا کرتا تھا کیونکہ بہت سی جگہوں پر صادق نظر آئی... پھر معلوم ہوا منطق کی غلطیاں اور الہیات سے متعلق جتنا فساد پایا جاتا ہے اس کا اصل سبب وہ اصول ہیں جو علم الٰہی سے متعلق بحث کرتے ہیں..... اور امام غزالیؒ کہتے ہیں بعض دفعہ منطق کو اچھا جاننے والا اس وجہ سے کفر کو صحیح کہہ دیتا ہے کہ اسے منطق کی براہین پر اعتماد ہوتا ہے حالانکہ یہ اس کی جلدی ہوتی ہے (اس پر لازم ہے) کہ پہلے علوم الٰہیہ کو الگ (شریعت سے) حاصل کرے۔ (وہی کتاب ص ۴۳)

الغرض شرعی علوم میں اہل کلام یا فلاسفہ کی بات کسی خیر کا فیصلہ نہیں کرسکتی جب تک کتاب وسنت سے اسکی اصلاح نہ کر دی جائے، جس کے نمائندہ محدثین کرام کی جماعت ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کہتے تھے:

''میں نے چار باتوں کو چار جگہوں سے تلاش کیا ہے: کفر کو تلاش کیا تو جہمیہ کے پاس نظر آیا، کلام اور اس

کا شغب (شور شرابہ، فتنہ انگیزی، ہلڑ بازی) تلاش کیا تو اسے معتزلہ کے پاس پایا، جھوٹ تلاش کیا تو اسے رافضہ (صحابہ کرام کو گالی دینے والے شیعہ) کے یہاں پایا اور جب حق کو تلاش کیا تو وہ اہل الحدیث کے پاس ملا۔ (حکم مخالفۃ منہج اہل السنۃ عثمان علی حسن ص:۷)

دوسرا رخ: یہ علوم شرعی ہدایت کے بغیر نامکمل ہیں، دکتور احمد عمر حجر لکھتے ہیں: ''یہ عصری علوم زیادہ تر ویرانی اور تباہی لاتے ہیں جب بھی اللہ کے ہدایت سے عاری اور سماوی شریعت سے دور ہونگے۔'' (التفسیر العلمی ص:۵۰۶)

آپ کو معلوم ہوگا کہ منطق کا عملی دور مسلمانوں سے شروع ہوا اسکا پہلا دور نظریاتی تھا منطق والوں کی مثال انبیاء کے مقابلہ میں ڈاکٹروں سے لی جاتی ہے، جو صرف علت بتا سکیں مگر علاج تجویز نہ کر سکیں (جو مریض کی اصل ضرورت ہوتی ہے)، اسی وجہ سے موجودہ یورپی انقلاب جو سترہویں صدی کے فرانسیسی لیڈر بیکون وغیرہ سے شروع ہوا وہ ارسطی منطق سے نہیں تھا بلکہ ان لوگوں نے علماء اسلام خصوصاً ابن تیمیہ وغیرہ سے علمی استفادوں کے بعد منطق کو از سرے نو تجدید کیا پھر اس قابل ہوئے کہ سائنسی اور حضاری تمدنی انقلاب کی بنیاد رکھ سکیں۔ (وہی کتاب مواقف اہل السنۃ ص:۴۵)۔

قارئین کرام! ہم نے آپ کی توجہ موضوع کے مرکزی حصہ کے طرف کردی ہے تا کہ اہل کلام کی اصل بنیاد کو پہچان سکیں..... تاہم یاد رہے اسلام اپنے اندر وسعت رکھتا ہے، جس نے ان علوم کی خیر کو جمع بھی کیا ہے انہی سے متکلمین کا یہ گروہ قابل ذکر ہے جن کا اصل مقصد، ان علوم کو سمجھنا اور کتاب وسنت کی مطابقت سے اسلامی دفاع کا تھا، جیسا کہ اصلاحی صاحب کا اصل مقصد غور کرنے سے یہی معلوم ہوگا کہ وہ دراصل محدثین اور اہل کلام کے ضابطوں میں تطبیق چاہتے ہیں..... بعد میں اسی انداز کو برنی صاحب نے بھی اپنی توجیہات سے مکمل کیا ہے۔

اس کے بالمقابل سلفی انداز یا منہج یہ ہے کہ کتاب وسنت سے کسی دلیل پر حکم بیان کیا جائے، اگر قول سلف موافق ہو تو اس سے تقویت لی جائے ...، اور اگر مخالف ہو تو وجہ ترجیح سے راجح قول بتایا جائے، یا اگر جدید مسائل پر شواھد تلاش کرنے کی ضرورت ہو تو سلفی آثار سے ہوں ان کے معمولات سے ملائمت رکھتے ہوں، اجنبی نہ ہوں، اسی طرح جب عقلی تحلیل میں فن کلام یا دنیاوی شعبوں کے واسطہ پڑے تو وہ اپنے منہج میں ہر صحیح حدیث کو واجب الاتباع سمجھتے ہیں، جانتے ہیں کہ شریعت کی بنیاد مقاصد، حکمتوں اور غایات پر ضرور ہے، مگر فیصلہ نہیں کرتے صرف اعتبار کرتے ہیں جس کا معیار یہ ہے کہ اگر کوئی مقصد شرعی نص سے ٹکرائے، اور وجہ جمع یا تطبیق کی صورت نہ

بنے تو ان کے نزدیک مقصد یا اصول غلط ہوسکتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی بات جو بطریق محدثین صحیح نسبت کے ساتھ پہچانی جا چکی ہے وہ امت کی رہنمائی میں ناقص نہیں ہوسکتی، خواہ سمجھ آئے یا بعض کو نہ آئے اور بعض کو نہ آئے، قیاس اس کے موافق یا مخالف، راوی فقیہ ہو یا نہ ہو، وہ اعتقادی علمی ہو یا عملی حکمی ہو... یہی وہ صراط مستقیم ہے جہاں علی رأس الطریق صحابہ اور ائمہ سلف اور ائمہ مذاہب آتے ہیں (ائمہ سلف سے مراد جو مرجع خلائق ہوئے اور قرون ثلاثہ ۔۲۲۰ھ تک۔ سلفی روایات کو زندہ کرتے رہے خواہ وہ زمانہ کے لحاظ سے عصر حاضر کے ہوں)

اہل کلام کا مذہب: اس کے برعکس جب اہل کلام نے محدثین کے اس موقف سے اختلاف کیا تو ان کا امر خلط ملط کا شکار ہوگیا مثلاً برنی صاحب اعتقادی حجیت میں خبر متواتر کا پایا جانا ضروری سمجھتے ہیں یعنی خبر متواتر یقین کا فائدہ دیتی ہے..... حالانکہ اہل کلام کے نزدیک خبر متواتر کا فائدہ ظنی ہے۔ جس سے لازم آتا ہے کہ اگر محدثین کے مذہب سے اتفاق نہیں تو اعتقادی بات کو خبر متواتر سے بھی ثابت کرنا صحیح نہ ہوگا۔ جیسا کہ مشہور متکلم اصولی سیف الدین آمدی (علی بن محمد، حنبلی پھر شافعی ہوئے) لکھتے ہیں "اتفقت الأشاعرة و المعتزلة و جميع الفقهاء على أن خبر المتواتر لا يُولد العلم خلافاً لبعض الناس" کہ متکلمین سب کے سب سوائے چند معدود افراد کے، اتفاق رکھتے ہیں کہ خبر متواتر کا فائدہ علم یقین نہیں۔ (دیکھئے الاحکام: ۲۶۰)

محدثین کے مذہب کی تائید: اس کے ذیل میں سیف الدین آمدی خود ہی لکھتے ہیں (مختصراً): "... اللہ نے یہ فرمایا "إن الظن لا يغني من الحق شيئا" کہ ظن تو حق پیدا کرنے میں کچھ کام نہیں آتا چنانچہ اگر خبر واحد (علم) کا فائدہ نہ دیتی ہو، صرف (ظن) کا فائدہ ہی دے تو ہم سب مذموم ہوئے، کیونکہ ہمیں علم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور ظن کی پیروی سے منع کیا گیا ہے (بنی اسرائیل: ۲۷) بلکہ آپ نے ظن کے پیچھے لگنا کافروں کی علامت بتائی "وما يتبع أكثرهم الا ظناً" (یونس: ۳۶)"..... یہی وجہ ہے کہ وہ اہل کلام کے مذہب سے ہٹ جاتے ہیں اور محدثین کا مذہب اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں خبر واحد کو قرائن کی بنا پر علم یقین پر محمول کرنا جائز ہے۔ (دیکھے وہی موقع) امام سرخسی کہتے ہیں کہ "ينبغي أن يترجح جانب الصدق في خبر كل عدل كرامة لرسولِ الله ﷺ" کہ جو خبر کسی عادل ثقہ کی معرفت رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے آرہی ہے کم از کم اسے راجح صدق پر لینا چاہیے، رسول ﷺ کی عزت کا خیال رکھتے ہوئے۔ (اصول السرخسی ۳۲۵/۱)

امام ابن الصلاحؒ (حافظ الحدیث، م ۱۲۴۴ء) نے بھی اہل کلام کی بات پر محدثین کے موقف سے فرق

کیا تھا، مگر آپ نے رجوع کرتے ہوئے کہا، "ثم بان لی أن المذهب الذی اختر ناه أولاً هو الصحیح" کہ پہلے میں اس مذہب کو قوی خیال کیا کرتا تھا، مگر بعد میں واضح ہو گیا حقیقۃً وہی مذہب صحیح ہے جس کا محدثین فیصلہ کر چکے ہیں، اور آپ نے بتایا کہ یہی فیصلہ پوری امت پر لازم آتا ہے۔ (دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح ص:۱۴) لازم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ میدان محدثین کا ہے، اور لوگ ان کے حاجت مند ہیں، ان کے بغیر کوئی سہارا نہیں پاتے تب ان کی بات مانے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ خبر واحد جب اتفاقاً قبول کر لی جائے تو وہ یقین کا فائدہ رکھتی ہے، جیسا کہ یہی بات شیخ البانی ابن تیمیۃ سے نقل کرتے ہیں، "یہ گویا اہل علم کا اجماع ہے، اور امت ضلالت پر جمع نہ ہوگی، لہذا کہتے ہیں "لاعبرة بمن عداهم من المتكلمين والأصوليين" اس جگہ اہل کلام اور اصولیوں کا مختلف ہو جانا لائق اعتبار نہیں کیونکہ حدیث ان کا میدان نہیں، جیسے شرعی ضرورتوں کے لئے شرعی حکموں پر بات کرنا نحویوں یا ڈاکٹروں کا کام نہیں (الحديث حجة بنفسه ص:۶۴)

راجح قول: یہاں محدثین کی فتح پہچانیے، اولاً معقولیت سے: اہل کلام کہتے ہیں خبر متواتر علم کا فائدہ نہیں رکھتی کیونکہ متواتر یکے بعد دیگرے افراد کی خبر کو کہتے ہیں تو جیسے جھوٹ سچ کا احتمال پہلے پر تجویز ہو سکتا ہے باقی سب پر بھی فرداً فرداً ہو سکتا ہے، نیز متواتر لوگوں کی بات میں نقیض کا احتمال رہتا ہے مثلاً ایک بات کو اگر کسی نے ایک رنگ بتا کر ذکر کیا تو دوسرا بعد میں آنے والا اس سے اختلاف کرتے ہوئے کوئی اور رنگ بتانے کا خدشہ رکھتا ہو تو ہم اسے علم کا درجہ نہیں دے سکتے، کیونکہ علم ایک حقیقت اور اس کی ضد کو جمع نہیں کرتا، مثلاً اگر دس لوگ یکے بعد دیگرے کسی گاڑی کا حادثہ بیان کرتے ہیں، تو اگر ایک نے کہا اس کا رنگ پیلا تھا، دوسرے سے یہ احتمال ہے کہ وہ زرد رنگ بتائے تو نقیض کے اس احتمال پر ہم اسے علم نہیں کہہ سکتے۔ خواہ وہ کثیر واسطوں سے خبر متواتر ہو۔

محدثین نے کہا یہ لغوی بحث ہے جو شرعاً مردود ہے کہ ہم نے جب ایک طبقہ کے راویوں کو جمع کیا تو ان کے بیانات موافق پائے یا قریب قریب معنی کے حامل تھے۔ تضاد نہیں تھا۔ تب جھوٹ سچ کا احتمال کیسے رہ جاتا ہے جبکہ وہ ایک جماعت کی خبر ہے؟ بلکہ حدیث کا اعجاز نکلتا ہے کہ جب اسے مختلف جہات سے راویوں کو جمع کرتے ہوئے اکٹھا کیا گیا تو سب سے ایک جیسی رہی، اور اس کی مثال دنیا سے کہیں میسر نہیں۔ یہیں سے مستشرقین کی کوشش رہی احادیث میں تعارض دکھایا جائے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ تو کیا یہ اللہ تعالی کی طرف سے حفاظت حدیث کا خصوصی اہتمام نہیں جس پر اللہ تعالی نے رجال کو پیدا کیا اور ان پر ائمہ حدیث کو منتخب فرمایا؟

اہل کلام نے کہا ایک دوسری بات ہے کہ متواتر خبروں میں راویوں سے بیان بدل سکتا ہے، مثلاً اگر کسی نے زرد رنگ بتایا تو دوسرا سرخ رنگ کہہ سکتا ہے۔ جو کہ متواتر خبروں میں متوقع ہے، یہی خدشہ علم کا فیصلہ کرنے میں رکاوٹ ہے متواتر کا فائدہ علم نہیں۔ محدثین نے کہا شرعا یہ بھی مردود ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس شاذ اور محفوظ، معروف اور منکر کے ضابطے ہیں۔ مثلاً ایک دس راویوں سے کسی نے بیان بدل لیا تو اگر ثقہ کی ثقہ سے مخالفت ہے تو جو زیادہ ثقہ ہوگا اسے محفوظ کہہ کر دوسرے کو ضعیف (شاذ) قرار دیتے ہیں، اور اگر ثقہ سے غیر ثقہ مخالف ہوگا تو ثقہ کی بات کو معروف اور غیر ثقہ کی مخالفت کو منکر کہہ دیتے ہیں۔ اہل کلام نے یہ بشری کوشش کبھی حقیقت کے خلاف ہو سکتی ہے، مثلاً اگر ایک کا بیان تین یا زیادہ سے مختلف ہے تو آپ ایک ثقہ کو اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کو ضعیف کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ ہو سکتا ہے، اس بات میں وہی زیادہ ضبط رکھنے والے ہوں۔ یوں اہل کلام فیصلہ کرنے میں حیران ہو جاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے محدثین کی مدد فرمائی وہ یہ فیصلہ کرنے کے لئے شاذ اور محفوظ سے پتہ لگاتے ہیں۔ محدثین کہتے ہیں چونکہ یہ ہمارا محنت اور تجربات کی روشنی میں اجتماعی فیصلہ ہے اور اجتماعی فیصلہ اللہ کے نزدیک مقبول ہے، خواہ حقیقت مختلف ہو، چنانچہ ہم اس پر عمل کی بنیاد رکھ سکتے ہیں... تو کیا یہ علم کا فائدہ نہیں، جبکہ کئی شرعی مسائل اسی اتفاق امت کی دلیل پر اہل ہوتے ہیں؟ ثانیاً: تناقضات سے پہچانیے: آپ نے کہا، قرآن یقینی علم رکھتا ہے، ہم نے کہا وہ کیسے؟ جبکہ وہ بھی خبر متواتر ہے اور تمام اہل کلام متفق ہیں، خبر متواتر ظن ہے علم نہیں؟! آپ نے کہا اجماع کی وجہ سے کہ امت اس کے یقینی ثبوت پر اجماعی فیصلہ کر چکی ہے، ہم کہتے ہیں محدثین کی خبر واحد پر بھی اجماع کی بات ہو چکی ہے یقین کا فائدہ دیتی ہے جیسے ابن تیمیہ اور ابن الصلاح نے کہا.....الخ۔

یہی وجہ ہے کہ آمدی قرآنی متواتر کو حجت قرار دینے میں عقلی ضابطہ اور اہل کلام کا اصول چھوڑ دیتے ہیں شریعت کی طرف آتے ہیں وہی اجماع کے حوالے سے حل نکالتے ہیں اسی طرح اہل کلام کی تضاد روی پر، جو دین سے ظن کی راہ سے نکلتی ہے، مواخذہ کرتے ہوئے اپنے دین کو ظنون سے نکالنے کے لئے محدثین کی خبر واحد کو قبول کرتے ہیں آپ کہتے ہیں: محدثین کی خبر واحد کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے قرائن کی بنا پر علم یقین فائدہ دے (دیکھئے الاحکام آمدی، وہی موقع)

تیسرا رخ: ڈاکٹر صاحب تعجب کر رہے تھے کہ عابدی صاحب صرف اتنی بات پر چراغ پا کیوں ہو رہے ہیں کہ اگر اصلاحی صاحب کے نظر میں احادیث سچ جھوٹ کا احتمال رکھتی ہیں.....الخ۔

میں کہتا ہوں کیا اتنے سے آپ اہل کلام کو خوش کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، حتی تتبع ملتھم جب تک ان کا اصل دین نہ مان لیں اور ان کی ملت کیا ہے؟ ابن القیم کہتے ہیں اہل کلام کی چار باتیں دین کو مکمل تباہ کر رہی ہیں۔

(۱) کلام اللہ و کلام الرسول ادلہ لفظیہ ہیں، وہ علم کا فائدہ نہیں رکھتیں، نہ ان سے یقین پیدا ہوتا ہے، (معاذ اللہ، حدیث تو بیچاری مسکین رہی، قرآن کی حرمت کو بھی نہ چھوڑا)۔

(۲) قرآنی آیات اور احادیث جو صفات الٰہی پیش کرتی ہیں وہ سب مجازات ہیں حقیقت یوں نہیں ہے۔

(۳) رسول اللہ ﷺ کی خبریں جو صحیحہ ہیں، عادل راویوں کی پیش کردہ ہیں، امت سے تلقی بالقبول رکھتی ہیں، ان کا غایتی فائدہ ظن ہے۔ (یعنی زیادہ سے زیادہ ظن کا فائدہ رکھتی ہیں)۔

(۴) جب عقل وحی ٹکرا جائیں تب عقل کو لیا جائیگا اور وحی قابل التفات نہ ہوگی۔

ابن القیم ان چاروں کو طواغیت (باطل کے علمبردار) قرار دیتے ہیں کہ جہاں اہل باطل تاویلوں کی راہ سے دین کی عمارت کو اس کی مضبوط جگہوں سے گرانے کے درپے ہیں، جنہوں نے قرآنی حرمت کو بھی پائمال کیا اور ایمانی رسوم کو بھی دفن کر دیا ہے (دیکھئے الصواعق المرسلہ ابن القیم کی ص:۶۳۲ ع تحقیق، د/علی الدخیل اللہ) سو یہ ہے اہل کلام کا دین، ذرا بتلایئے تو، ہمیں اصلاحی صاحب کے نیک مشن سے کیا رنجش ہو سکتی ہے؟ کیا جو دین کی خاطر قربانیاں دے، جیل کاٹے..... بلکہ اصلاحی صاحب کا جماعت اسلامی سے نکلنا محض اس بنا پر تھا کہ اب یہ جماعت سیاست میں پڑ گئی ہے..... کیا ہم ایسی شخصیت کو داغ دار کریں؟ معقولیت ہے؟ ہم تو صرف منہج حق کے داعی ہیں۔

یاد رہے کہ ہمیں فنون کلام اور صنوف معقولات سے کچھ اختلاف نہیں، بلکہ میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں اور یہی قول میرے نزدیک راجح ہے کہ علوم عقلیہ اور ان کے بالتبع اصول فقہ، جو مدون ہوئے وہ سب یا اکثر منطق اور علم الکلام کا رہین منت ہیں کیونکہ ان قوموں کے اختلاط سے پہلے امی عربوں کی لغت سے ایسے اصول کہاں سے حاصل ہو سکتے ہیں، تو یہ سب اسلام کی برکات ہیں، جس نے وسعت دی، قوموں کو جمع کیا اور علوم وفنون کی داغ بیل ڈالی، عروج کا طریقہ بتایا اور پھر ہر قوم کے خیر وشر جانچنے کا سلیقہ بھی بتایا، یاد رہنا چاہیے ہماری مخالفت صرف معارضہ کے وقت ہے اہل کلام قرآن وحدیث کی مخالفت کرنا چھوڑ دیں، ہماری کوئی ضد نہ پائیں گے۔

قاری عبدالرحیم کلیم (مدیر مرکز التوحید ڈی جی خان) کو صدمہ

مورخہ 15 اگست بروز پیر قاری عبدالرحیم کلیم (مدیر مرکز التوحید ڈی جی خان) کے والد میاں محمد یوسف وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم نیک سیرت اور صوم وصلوٰۃ کے پابند انسان تھے۔ نماز جنازہ قاری صاحب نے خود پڑھائی۔ رئیس الجامعہ نے ان کے گھر جا کر تعزیت کی اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین